عظمتِ صوم

حدیثِ قدسی "فَإِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ" کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

روزہ کے بارے میں حدیثِ قدسی کے مندرجہ بالا الفاظ متفق علیہ ہیں، یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّیَامَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ ....."

۲۔ صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حسبِ ذیل الفاظ وارد ہوئے ہیں:

"یَتْرُكُ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَشَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِیْ اَلصِّیَامُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ ....."

۳۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعَفُ: اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی "اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ، یَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ ....."

(بحوالہ 'ریاض الصالحین' للامام النووی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصَّوْمُ لِی

جملہ عباداتِ اسلامی ــــــ صلوٰۃ وزکوٰۃ اورصوم وحج ــــــ میں سے عبادتِ صوم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے بارے میں متعدد روایات کی رُو سے' جن میں بخاری اور مُسلم کی متفق علیہ روایت بھی شامل ہے، ایک حدیثِ قدسی میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ

روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا!

جنہیں بعض لوگوں نے اعراب کے ذرا سے فرق کے ساتھ یوں بھی پڑھا ہے کہ:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ

روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا ہوں!

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز خدا کے لیے نہیں ؟ اسی طرح کیا زکوٰۃ اور حج اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ہیں ؟ ظاہر ہے کہ ان سوالوں کا جواب صرف نفی ہی میں دیا جا سکتا ہے۔ قرآنِ حکیم کے واضح ارشادات ہیں:

۱۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ: ۱۴)	اور قائم کر نماز میری یاد کے لیے!
۲۔ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔ (البقرۃ: ۲۳۸)	محافظت کرو نمازوں کی۔ اور خاص طور پر نماز وسطیٰ کی اور کھڑے رہو اللہ کے لیے پوری فرمانبرداری کے ساتھ!
۳۔ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ	اور لوگوں کے ذمے ہے اللہ کے لیے

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا	حجّ بیت اللہ۔ جو کوئی بھی استطاعت رکھتا
(آلِ عمران: ۹۷)	ہو اس کے سفر کی۔
۴۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ	اور پورا کرو حج اور عمرے کو اللہ
(البقرۃ: ۱۹۶)	کے لیے۔
۵۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ	ہم کھانا کھلاتے ہیں تمہیں صرف اللہ کی
لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا	رضاجوئی کے لیے، اور تم سے طالب ہیں
شُكُوْرًا۔ (الدھر: ۹)	نہ کسی جزا کے نہ شکریے کے!

اس اشکال کا ایک سطحی سا حل بعض حضرات نے اس طرح کرنے کی کوشش کی ہے کہ روزے میں ریا ممکن نہیں ہے جب کہ بقیہ تمام عبادتوں میں ریا کا امکان ہے، اس لیے کہ روزے کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہے جو لوگوں کو نظر آسکے بلکہ وہ ایک راز ہے عبد اور معبود کے مابین۔ ظاہر ہے کہ یہ توجیہہ بالکل بے بنیاد ہے اس لیے کہ نماز میں ریا یہی تو ہے کہ پڑھے تو انسان نماز ہی لیکن خالصۃً لوجہ اللہ نہ پڑھے بلکہ اس میں لوگوں کو دکھانے کی نیّت شامل ہو جائے بعینہٖ یہی معاملہ روزے کے ساتھ بھی ممکن ہے —— رہی دوسری انتہائی صورت کہ انسان روزے سے نہ ہو اور لوگوں سے کہے کہ میں روزہ سے ہوں تو یہ ریا نہیں دھوکا اور فریب ہے اور اس کے مقابل کی صورت نماز کے معاملے میں یہ ہوگی کہ کوئی ظاہراً تو نماز کے لیے دست بستہ کھڑا ہو جائے لیکن بجائے سورۃ الفاتحہ کے کوئی عشقیہ اشعار شروع کر دے۔ یا نعوذ باللہ من ذالک، خدا اور رسولؐ کو گالیاں دینا شروع کر دے! —— پھر ایک نصِ قطعی کے طور پر موجود ہے وہ حدیث بھی جس کی رُو سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ صَلّٰى يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ	جس نے نماز پڑھی دکھاوے کے لیے وہ شرک
وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ	کرچکا، اور جس نے روزہ رکھا دکھاوے کے لیے

وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ — وہ شرک کر چکا اور جس نے خیرات دی دکھاوے

(رواہ احمد، مشکوۃ باب الریاء والسمعۃ) — کی غرض سے وہ بھی شرک میں ملوث ہو چکا!

اِس حدیثِ قُدسی کا یہی وہ اشکال ہے جس کے باعث یہ عام واعظین کے مواعظ میں تو بیان ہو جاتی ہے لیکن اسلام کے جدید 'مفکرین' کی تحریر و تقریر میں بار نہیں پاتی۔ اِس لیے کہ واقعہ یہی ہے کہ دین کے بہت سے دوسرے لطیف تر حقائق جیسے عہدِ اَلست، وَحی، الہام، کشف اور رُویائے صادقہ وغیرہ کی طرح اس حدیثِ قدسی کی حقیقت بھی ان لوگوں پر منکشف نہیں ہو سکتی جو دورِ حاضر کے مادّہ پرستانہ اور عقلیت پسندانہ رُجحانات کے زیرِ اثر رُوح انسانی کے جسدِ خاکی سے علیحدہ مستقل وجود اور جُداگانہ تشخّص اور اُس کے ذاتِ باری کے ساتھ خصُوصی ربط و تعلق کے یا تو سرے سے قائل ہی نہیں ہیں یا کسی درجے میں ہیں بھی تو اُس کے اعتراف و اعلان میں جھجک اور حجاب محسوس کرتے ہیں! — بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں — کہ اکبرؔ نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اِس لیے کہ اِس حدیثِ قُدسی کی واحد ممکن توجیہہ یہ ہے کہ روزہ رُوح کے تغذیہ و تقویت کا ذریعہ ہے جسے ایک تعلّقِ خاص اور نسبتِ خصُوصی حاصل ہے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ لہٰذا یہ گویا خاص اللہ کے لیے ہے جس کی جزا وہ بطورِ خاص دے گا۔ یا یوں کہہ لیں کہ چونکہ اُس کا حاصل ہے تقرّب اِلی اللہ تو گویا اللہ خود ہی بنفسِ نفیس اُس کی جزا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ 'ارواحِ انسانی' کا ایجاد و اِبداع 'اجساد' کی تخلیق سے بہت پہلے "جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ" (مسلم عن ابی ہریرہؓ) کی صورت میں ہوا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عالمِ اجساد میں تخلیق سے بہت قبل خود اُن کی اور اُن سے لے کر تا قیامِ قیامت پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی اَرواح مستقل جُداگانہ تشخّص اور پُورے شعورِ ذات اور فیما بین جُملہ امتیازات کے ساتھ موجود تھیں۔

اِس حقیقت کے اِدراک وشعور کے بغیر، واقعہ یہ ہے، کہ عہدِ اَلَست کا وہ اہم واقعہ جسے قرآنِ مجید نے بڑے اہتمام اور شدّ ومدّ کے ساتھ بیان کیا ہے اور جسے محاسبۂ اُخروی کے ضمن میں ایک اَہم حجّت قرار دیا ہے یا تو محض تمثیل واستعارہ قرار پاتا ہے یا پھر اس کے بارے میں اچھے اچھے مصنّفین کے قلم سے بھی نادانستہ انتہائی لغو اور مہمل جملے نکل جاتے ہیں[1]۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہ عہد اجسادِ انسانی کی تخلیق سے قبل عالمِ ارواح میں اَرواحِ انسانی نے پورے ہوش اور شعور کے ساتھ کیا اور میدانِ حشر میں جب تمام نسلِ انسانی دوبارہ "جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ" کی صورت میں اپنے خالق کے سامنے پیش ہو گی[2] تو یہی عہدِ اَلَست اُن کے خلاف حجّتِ اُولیٰ کے طور پر پیش ہو گا! (مبادا تم کہنے لگو قیامت کے دن کہ ہم کو اس کی خبر ہی نہ تھی یا یوں کہنے لگو کہ اصل میں تو شرک کا ارتکاب کیا تھا ہم سے بہت پہلے ہمارے آباؤ اجداد نے اور ہم تو بعد میں اُن کی نسل میں پیدا ہوئے تھے!" سورۃ الاعراف آیات ۱۷۲، ۱۷۳)

اسی طرح اس حقیقت کو جانے اور مانے بغیر کوئی توجیہہ ممکن نہیں اِن متعدد احادیث کی جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ صرف یہ کہ خلق کے اعتبار سے سب پر مقدم ہیں بلکہ آپؐ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ ابھی جسدِ آدمؑ تخلیق وتسویہ کے مراحل سے گزر رہا تھا ـــــ اِس سلسلے میں اِس روایت سے قطع نظر جس میں "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ"

---

[1] مثلاً مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: "یہ اقرار انسان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی عالمِ غیب میں خدا نے اس سے لیا ہے۔" (تدبرِ قرآن جلد سوم صفحہ ۳۹۴)

[2] وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ○ (الکہف: ۴۸)
اور وہ پیش کیے جائیں گے اپنے ربّ کے سامنے صف در صف (تب وہ فرمائے گا کہ) آپہنچے ہو تم ہمارے پاس بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے پیدا فرمایا تھا تمہیں پہلی بار لیکن تم تو اس مغالطے میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم تمہارے لیے اس ملاقاتِ موعود کے لیے کوئی وقت نہ متعین کریں گے!

کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اس لیے کہ وہ مُحدّثینِ کرام کے نزدیک مستند نہیں ہے، آخر اس حدیث کی کیا توجیہہ ممکن ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ، "قَالُوا	ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے دریافت
یَارَسُوْلَ اللّٰه ! مَتٰی وَجَبَتْ	کیا یارسول اللہ آپؐ کو نبوت کب ملی ؟ فرمایا
لَکَ النُّبُوَّةُ ؟ قَالَ: "وَآدَمُ	اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور
بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ!"	جسم کے درمیان تھے (یعنی ان میں روح نہیں
(رواہ الترمذی وقال ہٰذا حدیث حسنٌ)	پھونکی گئی تھی)! ترمذی بحوالہ ترجمان السنۃ اوّل

ظاہر ہے کہ اس کی ایک ہی توجیہہ ممکن ہے اور وہ یہ کہ اجسادِ انسانی کی تخلیق سے بہت قبل ارواحِ انسانی خلعتِ وجود سے مُشرّف ہو چکی تھیں اور اُن کے مابین مراتب و مناصب کے جملہ امتیازات بھی موجود تھے۔!

بعد ازاں جیسے ہی آدم کے جسدِ خاکی کا ہیُولیٰ تخلیق و تسویہ کے طویل مراحل طے کر کے اس قابل ہوا کہ رُوحِ آدم اس سے ملحق کی جاسکے تو نفخِ روح ہوا اور رُوح و جسد کا یہ مجموعہ مسجودِ ملائک قرار پایا، بفحوائے آیاتِ قرآنی:

۱- وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ	اور (یاد کرو) جب کہا تیرے رَبّ نے فرشتوں
خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ	سے: میں پیدا کرنے والا ہوں اس سنے ہوئے
حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ	گارے سے جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا ہے ایک
وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا	بشر، تو جب میں اسے پوری طرح مکمل کر چکوں
لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝	اور اس میں اپنی رُوح میں سے پھونک دوں
(الحجر: ۲۸-۲۹)	تو گر پڑنا اُس کے لیے سجدے میں۔
۲- وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ	اور (یاد کرو) جب کہا تیرے رَبّ نے فرشتوں
خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا	سے: میں بنانے والا ہوں مٹی سے ایک

سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهُ سٰجِدِيْنَ ○
(صٓ: ۷۱، ۷۲)

بشر۔ تو جب میں اسے پوری طرح بنا کر درست کر دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی روح میں سے تو گر پڑنا اس کے لیے سجدے میں۔

اور پھر پوری نوعِ انسانی کو صُلبِ آدم سے متعلق کر دیا گیا۔ چنانچہ جیسے جیسے ارحامِ اُمّہات میں افرادِ نوعِ انسانی کے اجساد تیار ہوتے رہے ایک خاص مرحلے پر مجموعۂ ارواح میں سے ایک ایک رُوح ان کے ساتھ متعلق کی جاتی رہی جس کو تعبیر کیا سورۃ المؤمنون میں "خَلْقًا اٰخَرَ" کے الفاظِ مبارکہ سے اور جس کی خبر دی مزید وضاحت کے ساتھ صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے۔ از رُوئے آیات و حدیث مندرجہ ذیل:

۱۔ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ○ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ
(السجدہ: ۷-۹)

اور اُس نے انسان کی تخلیق کا آغاز کیا مٹی سے، پھر چلائی اس کی نسل نچڑے ہوتے بے قدر پانی سے۔ پھر اس کو درست کیا پوری طرح اور پھونکا اس میں اپنی رُوح میں سے۔!

۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۗ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

اور ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصے سے۔ پھر کر دیا ہم نے اس کو ایک بوند جمے ہوتے ٹھکانے میں، پھر بنایا اس بوند سے ایک علقہ اور پھر بنایا اس علقہ سے ایک لوتھڑا، پھر بنائیں اس لوتھڑے سے ہڈیاں، پھر پہنایا ہڈیوں کو گوشت۔ اور پھر اٹھایا اسے ایک اور ہی اٹھان پر۔ سو بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب سے

الْخٰلِقِيْنَ ۝ (المؤمنون: ۱۲-۱۴)

اچھی تخلیق فرمانے والا۔!

۲۔ عن ابی عبد الرّحمٰن بن مسعود رضی اللہ عنہ قال حدثنا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وھُوَ الصادق والمصدوق: "اِنَّ اَحَدَکُمْ یُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَکُوْنُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یُرْسَلُ اِلَیْهِ الْمَلَکُ فَیَنْفُخُ فِیْهِ الرُّوْحَ۔ (رواہُ البخاری والمسلم)

ابوعبدالرحمٰن ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سچے ہیں اور ان کی سچائی مسلّم ہے کہ: "تم میں سے ہر ایک کی تخلیق رحمِ مادر میں چالیس دن تو نطفے کی صورت میں ہوتی ہے، پھر اتنے ہی دن علقہ کی صورت میں، پھر اتنے ہی دن مضغہ کی صورت میں۔ پھر اس کے بعد ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں رُوح پھونکتا ہے (اس حدیث کو روایت کیا امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے)

واضح رہے کہ یہاں روح سے مراد زندگی لینا بہت بڑا مغالطہ ہے اس لیے کہ بے جان تو نہ وہ "بَیْضَةُ الْاُنْثٰی" ہی ہوتا ہے جو طویل مسافت طے کر کے رحم میں پہنچتا ہے اور نہ 'نُطْفَةُ الرَّجُلِ' جو نہایت جوش و خروش سے حرکت کرتے ہوئے پوری قوّت کے ساتھ اس میں داخل ہوتا ہے۔ رہے علقہ اور مضغہ تو اُن میں تو نشو و نما کا خالص حیاتیاتی عمل انتہائی زور شور سے جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بے جان مادّے میں زندگی پھونکنے کا کوئی سوال نہیں بلکہ جسدِ انسانی کے ساتھ جو تخلیق و تسویہ کے مراحل طے کر رہا ہے روحِ انسانی کے الحاق کا معاملہ ہے، فافھم وتدبّر!

اب آیئے اصل موضوع کی طرف!

حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک مرکّب وجود کا حامل ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے:
ایک[1] اس کا وجودِ حیوانی جو مجموعہ ہے جسم اور جان یا جسد و حیات دونوں کا اور دوسرے[2] روح[1] انسانی جس کے شرف و مجد کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات کی طرف نسبت دی! (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي!) ایک[1] کا تعلق ہے عالمِ خلق سے جس میں تخلیق و تسویہ کا عمل لازماً تدریج و ارتقاء کے مراحل سے ہو کر گزرتا ہے، جب کہ دوسرے[2] کا تعلق ہے عالمِ امر سے جہاں ابداع اور ایجاد و تکوین کا ظہور کن فیکونی شان کے ساتھ ہوتا ہے بفحوائے الفاظِ قرآنی:

۱- وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ٥ (بنی اسرائیل: ۸۵)	اور وہ پوچھتے ہیں تم سے روح کے بارے میں۔ کہو روح میرے ربّ کے امر سے ہے!
۲- وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ٥ (القمر: ۵۰)	اور نہیں ہے ہمارا امر مگر بس ایسے جیسے ایک لپک نگاہ کی۔!
۳- اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ٥ (یٰسٓ: ۸۲)	اور اس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ وہ بس کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے!

مزید برآں ——— ایک کا رجحان ہے عالمِ سفلی کی طرف جبکہ دوسرے کی پرواز ہے عالمِ علوی کی جانب، بلکہ ایک بالقوۃ "اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ[2]" کے حکم میں ہے تو دوسرے کا اصل مقام اعلیٰ "علّیّین[3]" میں ہے، ایک خاکی الاصل ہے اور "كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى

---

[1] اکثر لوگ روح کو حیات یا زندگی کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں حالانکہ زندگی تو جمیع حیوانات ہی نہیں نباتات تک میں ہے۔ وہ روحِ ربّانی جس سے انسان جملہ حیوانات سے ممیّز ہوتا ہے بالکل دوسری چیز ہے!

[2] سورۃ التّین [3] سورۃ المطفّفین۔

اَصۡلِہٖ" کے مصداق "وَلٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ" کی مکمل تصویر، جبکہ دوسرا نوری الاصل اور ع: "اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حُسن!" کے مصداق ہمیشہ عالمِ بالا کی جانب مائل و متوجّہ۔ ایک خالصتًہ حیوانات کی سطح پر ہے تو دوسرا فرشتوں کا ہم رُتبہ ہی نہیں بالقوّہ اُن سے بھی آگے ۔ بقولِ شیخ سعدیؒ ؎

آدمی زادہ طُرفہ معجون است ازفرشتہ سرشتہ وز حیواں

گویا دونوں باہم متضاد و متصادم ہیں۔ چنانچہ ایک تقویّت پاتا ہے تو دوسرا لازماً مضمحل ہوتا ہے اور ایک کا دباؤ بڑھے تو دوسرے کا کچلا جانا لازمی ہے! چنانچہ بطن و فرج کے تقاضوں کی بھرپور تسکین اور کثرتِ آرام و استراحت سے رُوح مضمحل ہوتی چلی جاتی ہے، حتّٰی کہ وہ وقت بھی آجاتا ہے جب انسان کا جسدِ خاکی چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا الغرض ہر اعتبار سے زندہ ہی نہیں خُوب فربہ و توانا نظر آتا ہے درانحالیکہ اس کی رُوح، کمزور اور لاغر ہوتی ہوتی بالآخر سِسک سِسک کر دم توڑ دیتی ہے اور جسدِ انسانی اس رُوح کے لیے چلتی پھرتی قبر بن کر رہ جاتا ہے بقول علّامہ اقبال ؎ ع" روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد!"

اور بفحوائے الفاظِ قرآنی:

اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ	یقیناً (اے نبی، تم نہیں سنا سکتے (اپنی بات) مُردوں کو اور نہ سُنا سکتے ہو

لہ ایک مقولہ: ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے! لہ سورۃ الاعراف: ۱۷۶

لہ قرآنِ حکیم نے ایک سے زائد مقامات پر منافقین کے 'تن و توش' کی جانب خصوصی اشارے کیے ہیں مثلاً سورۃ منافقون میں فرمایا:

وَاِذَا رَاَیۡتَہُمۡ تُعۡجِبُکَ اَجۡسَامُہُمۡ وَاِنۡ یَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِہِمۡ کَاَنَّہُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ (سورہ منافقون: ۴)	اور (اے نبی) جب تم انہیں (منافقین کو) دیکھتے ہو تو اُن کے تن و توش سے متاثر ہو جاتے ہو چنانچہ جب وہ بات کرتے ہیں تو اُن کی گفتگو کو بغور سنتے ہو حالانکہ درحقیقت وہ سوکھی لکڑیوں کے کُندے ہیں جنہیں سہارے سے رکھ دیا گیا ہو۔

(النحل : ۸۰ ، الروم : ۵۲) (اپنا پیغام) بہروں کو!

افسوس کہ دورِ حاضر میں مادّہ پرستانہ نقطۂ نظر کے تسلّط کے باعث رُوح اور جسد کے جُداگانہ تشخّص اور اُن کے تقاضوں کے باہم متضاد و متصادم ہونے کا شعور و ادراک عوام تو کجا خواص تک کو حاصل نہیں رہا، حتّٰی کہ بہت سے جدید 'مفکّرینِ اسلام' تو اِس حقیقتِ کبرٰی کا ذکر بھی بطرزِ استہزاء و استحقار کرتے ہیں۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے ایک بہت بڑے 'مفکرِ اسلام'[1] "اسلام کا روحانی نظام" کے عنوان سے ایک نشری تقریر میں فرماتے ہیں:

> "فلسفہ و مذہب کی دنیا میں عام طور پر جو تخیّل کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ روح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں کا عالَم جدا ہے۔ دونوں کے تقاضے الگ بلکہ باہم مخالف ہیں ۔ ۔ ۔ اسلام کا نقطۂ نظر اس معاملے میں دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں سے مختلف ہے ۔ ۔ ۔"

اِس ضمن میں انہوں نے 'دنیا پرستی' اور 'ترکِ دُنیا' کی دو انتہائی صورتوں کی جو تردید کی ہے وہ اصولاً بالکل دُرست ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اُن کی توجہ اِس حقیقت کی جانب کیوں مُنعطف نہ ہوئی کہ انسانی تاریخ میں ان دونوں انتہاؤں کی موجودگی بجائے خود اِس کا ثبوت ہے کہ انسانی شخصیت میں دو بالکل متضاد اور مخالف قوتیں کارفرما ہیں، جن کے مابین مسلسل رسّہ کشی جاری رہتی ہے۔ چنانچہ کبھی ایک کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے کبھی دوسری کا۔ بقول علّامہ اقبالؒ ؎

اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رُومیؔ کبھی پیچ و تابِ رازیؔ

اسلام بلاشبہ ان کے مابین توازن پیدا کرنا چاہتا ہے اور عدمِ توازن[2] کو ہرگز

---

[1] مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم [2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

پسند نہیں کرتا لیکن توازن کا یہ تصور بجائے خود دلیلِ قاطع ہے جسد اور روح کے تضاد اور ان کے تقاضوں کے باہم متقابل و متبائن ہونے کی۔ بقولِ شاعر ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای !
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش !

واقعہ یہ ہے کہ فکر و نظر کی اس بنیادی غلطی نے تصوّرِ دین کی پوری عمارت ہی کو کج کر ڈالا ہے۔ چنانچہ جب 'روح' صرف زندگی کے ہم معنیٰ ہو کر رہ گئی تو 'دین' بھی بس ایک 'نظامِ حیات' بن کر رہ گیا اور مذہب کا ایک ایسا لامذہبی (SECULAR) ایڈیشن تیار ہو گیا جس میں مذہب کے لطیف حقائق سرے سے خارج از بحث ہو گئے ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج ! تا ثریّا می رود دیوار کج !!

ایک حقیقت کی جانب مزید توجّہ فرمائیے !

جسدِ انسانی یا انسان کا وجودِ حیوانی خاکی الاصل ہے چنانچہ اس کی جملہ ضرورتیں اور اس کے تغذیہ و تقویّت کا تمام سامان بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے جبکہ رُوحِ انسانی قدسی الاصل اور "امرِ ربّ" ہے لہٰذا اس کے تغذیہ و تقویّت کی ضرورت بھی تمام تر کلامِ ربّانی ہی

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اگرچہ عدمِ توازن کی تمام صورتیں برابر نہیں ہیں۔ چنانچہ بہت فرق ہے اس عدمِ توازن میں جو دنیا پرستی یا شکم پروری و شہوت پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس عدمِ توازن میں جو ترکِ دنیا یا رہبانیت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ سابقہ اُمتوں میں عدمِ توازن کی پہلی صورت کی مثال یہود ہیں جنہیں "المغضوب علیہم" قرار دیا گیا ہے اور دوسری صورت کی مثال نصاریٰ ہیں جنہیں صرف "ضالّین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید تقابل کے لیے دیکھیے سورۃ حدید، جس کے وسط میں یہود کا ذکر ہے جن کی دنیا پرستی نتیجہ تھی 'قساوتِ قلبی' کا اور آخر میں مُتّبعین عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے جن کی رہبانیت کو اگرچہ بدعت قرار دیا گیا لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ تھی یہ نیکی کے جذبے ہی کی ایک غیر معتدل صورت !

سے پوری ہو سکتی ہے جسے قرآنِ حکیم نے رُوحؔ ہی سے تعبیر کیا ہے از روئے آیاتِ مبارکہ:

۱- وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۔ (الشوریٰ : ۵۲)

اور اسی طرح (اے نبی) ہم نے وحی کی تمہیں ایک رُوح اپنے امر سے (اس سے پہلے تم کچھ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا) لیکن (اب) بنا دیا ہے اسے ایک نُور جس کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں ہم اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں!

۲- يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المومن : ۱۵)

اِلقاء فرماتا ہے روح اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے!

۳- يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۔ (النحل : ۲)

نازل فرماتا ہے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے امر سے، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے!

اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں ایک دن کا روزہ اور دوسرے رات کا قیام اور اس میں قرارت و استماعِ قرآن! اور اگرچہ ان میں سے پہلی شق فرض کے درجے میں ہے اور دوسری بظاہر نفل کے، تاہم قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ

لہ یہاں اس حقیقت کی جانب بھی توجہ ہو جائے کہ وحی کے لانے والے کو بھی قرآن نے کہیں "رُوحُ القُدُس" سے موسوم فرمایا ہے اور کہیں "الرُّوحُ الامین" سے اور مہبطِ وحی بھی قرار دیا ہے قلب کو جو دراصل بمنزلہ شاہ درہ ہے شہرِ رُوح کے لیے۔ تو حقیقتِ وحی کے ضمن میں بھی ایک کلید مل جاتی ہے اگرچہ یہ بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے! گویا وحی خود بھی روح، اس کے لانے والا بھی روح اور اس کا مہبط بھی روح۔ جگرؔ کا ایک شعر اس نغمۂ وحی کی ماہیت کو خوب واضح کرتا ہے ؎

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو روح سُنے اور روح سُنائے!

علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام دونوں نے اشارۃً اور کنایۃً واضح فرمادیا کہ یہ ہے رمضان المبارک کے پروگرام کا جزوِلاینفک! چنانچہ قرآن نے وضاحت فرمادی کہ روزوں کے لیے ماہِ رمضان معیّن ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں قرآنِ مجید نازل ہوا تھا؛ گویا یہ ہے ہی نزولِ قرآن کا سالانہ جشن!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ	رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآنِ مجید
اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ۔ (البقرۃ: ۱۸۵)	نازل ہوا۔

اور احادیث نے تو بالکل ہی واضح کر دیا کہ رمضان المبارک میں 'صیام' اور 'قیام' لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ:-

۱۔ امام بیہقیؒ نے رمضان المبارک کی فضیلت کے ضمن میں جو خطبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا 'شعب الایمان' میں نقل کیا ہے، اُس کے الفاظ ہیں:

جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ فَرِیْضَةً	اللہ نے قرار دیا اس میں روزہ رکھنا
وَقِیَامَ لَیْلِهٖ تَطَوُّعًا۔	فرض اور اُس کا قیام اپنی مرضی پر۔

گویا قیام اللیل اگرچہ "تَطَوُّعًا" ہے تاہم اللہ کی جانب سے 'مجعول' بہرحال ہے!

۲۔ بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ	جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان و
احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ	احتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اس کے
ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ	تمام سابقہ گناہ۔ اور جس نے (راتوں کو) قیام
اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا	کیا رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ
تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔	بخش دیئے گئے اُس کے جملہ سابقہ گناہ۔

۳۔ امام بیہقیؒ نے 'شعب الایمان' میں حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ سے روایت

کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ	روزہ اور قرآن بندۂ مومن کے حق
لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ	میں سفارش کریں گے روزہ کہے گا
اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ	اے رب! میں نے اسے روکے رکھا
وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ	دن میں کھانے اور خواہشات سے پس اس
فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَيَقُوْلُ	کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور قرآن
الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ	کہے گا میں نے روکے رکھا اسے رات کو
بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ	نیند سے پس اس کے حق میں میری سفارش
فَيُشَفَّعَانِ۔	قبول فرما۔ تو دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی

اور اب غور فرمائیے صوم رمضان کی حکمتوں پر!

حقائق متذکرہ بالا کے پیشِ نظر صیام و قیامِ رمضان کی اصلی غایت و حکمت اور ان کا اصل ہدف و مقصود ایک جملے میں اس طرح سمویا جاسکتا ہے کہ:۔۔۔ ایک طرف روزہ انسان کے جسدِ حیوانی کے ضعف و اضمحلال کا سبب بنے تاکہ رُوحِ انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوں اور بہیمیت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی اور سسکتی اور کراہتی ہوئی رُوح کو سانس لینے کا موقع ملے ۔۔۔۔ اور دوسری طرف قیامُ اللیل میں کلامِ ربانی کا روح پرور نزول[1] اُس کے تغذیہ و تقویت کا سبب بنے ۔۔۔۔ تاکہ ایک جانب اُس پر کلامِ الٰہی کی عظمت کما حقّہٗ منکشف ہوجائے اور وہ اچھی طرح محسوس کرے کہ یہی اُس کی بھوک کو سیری اور پیاس کو آسودگی عطا کرنے کا ذریعہ اور اُس کے دُکھ کا علاج اور درد کا درماں

---

[1] ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف! (اقبال)

ہے! ـــــ اور دوسری جانب رُوحِ انسانی ازسرِنو قوی اور توانا ہو کر" اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز" ہو گویا اس میں تقرّب اِلی اللہ کا داعیہ شدّت سے بیدار ہو جائے اور وہ مشغولِ دعا و مناجات ہو جو اصل رُوح ہے عبادت[1] کی اور لُبِّ لُباب ہے رُشد و ہدایت کا!

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں صوم و رمضان سے متعلّق آیات[2] میں:

اوّلاً ـــــ مجرّد صوم کی مشروعیّت اور اُس کے ابتدائی احکام کا ذکر ہوا اور اُس کی غرض و غایت بیان ہوئی "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" کے الفاظ میں اور

ثانیاً ـــــ صومِ رمضان کی فرضیّت اور اُس کے تکمیلی احکام کا بیان ہوا اور اُس کے ثمرات و نتائج کا ذکر ہوا دو طرح پر:

ایک ـــــ "وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ" کے الفاظ میں جو عبارت ہے انکشافِ عظمتِ نعمتِ قرآن اور اُس پر اللہ کی جناب میں ہدیۂ تکبیر و تشکّر پیش کرنے سے ـــــ اور

دوسرے ـــــ "وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ . . . لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ" کے الفاظ میں جو عبارت ہے انسان کے متوجّہ اِلی اللہ و مُتلاشیٔ قربِ الٰہی اور مشغولِ دُعا اور محوِ مناجات ہونے سے جو اصل حاصل ہے عبادتِ ربّ کا!

الغرض! صیام و قیامِ رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ رُوحِ انسانی بہیمیّت کے غلبے اور تسلّط سے نجات پا کر گویا حیاتِ تازہ حاصل کرے اور پوری شدّت و قوّت اور کمالِ ذوق و شوق کے ساتھ اپنے ربّ کی جانب متوجّہ ہو جائے!

---

[1] احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام: "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ" اور "اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ"

[2] سورۃ البقرۃ آیات ۱۸۳ تا ۱۸۷

اب ذرا ایک بار پھر سوچیے کہ یہ 'روحِ انسانی' درحقیقت ہے کیا؟ جیسے کہ پہلے واضح ہو چکا ہے، یہ "اَمرِ رَبّی" بھی ہے اور جلوہ ربّانی بھی۔ اِس کا تعلق ذاتِ خداوندی کے ساتھ بالکل وہی ہے جو سورج کی ایک کرن کا سورج کے ساتھ کہ لاکھوں اور کروڑوں میل دُور آ جانے کے باوجود اپنے منبع سے منقطع اور اپنے جُداگانہ وجود کے باوصف اپنی اصل سے منفصل نہیں ہے ——— بعینہٖ یہی کیفیت ہے رُوحِ انسانی کی کہ اپنے علیٰحدہ تشخص کے باوجود خدا سے منفصل نہیں بلکہ متّصل ہے بقول عارفِ رومی ؎

اتّصالے بے تکیّف بے قیاس

ہست رَبُّ النّاس را با جانِ ناس !

گویا قلبِ انسانی کی مکین روحِ ربّانی براہِ راست متّصل ہے ذاتِ ربّ کے ساتھ اور یہی ہے وہ عظیم امانت جس کے بارِ گراں کے نہ سماوات متحمّل ہو سکے نہ ارض و جبال لیکن جو حصّے میں آئی ظلوم وجہول انسانؔ کے : ؎

آسماں بارِ امانت نتواں گشت کشید

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند !

یہی وجہ ہے کہ ایک حدیثِ قدسی کی رُو سے قلبِ مومن کی مکین خود ذاتِ الٰہی ہے :

مَاوَسَعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ — میں نہ زمین میں سما سکا نہ آسمان میں،

وَلٰکِنْ وَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ — البتہ اپنے مومن بندے کے دل

(احیاء علوم الدین، امام غزالیؒ ج ۳ ص ۱۴) — میں میری سمائی ہو گئی۔!

؎ من نگنجم در زمین و آسماں — لیک گنجم در دلِ مومن عیاں ! (سعدیؔ)

تو کیا بالکل درست نہیں یہ قولِ مبارک کہ "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" ——— بلکہ "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ" ——— اِس لیے جب کہ دوسری بدنی اور مالی عبادتوں

لہ سورۃ الاحزاب آیت : ۲۷

کا حاصل ہے تزکیہ و تطہیرِ نفس وہاں صومِ رمضان کا حاصل ہے تغذیہ و تقویتِ رُوح جو متعلق ہے براہِ راست ذاتِ خداوندی کے ساتھ ـــــ لہٰذا روزہ ہوا خاص اللہ کے لیے اب چاہے یوں کہہ لیں کہ وہ خود ہی اس کی جزا دے گا یا یوں کہہ لیں کہ وہ خود تعالیٰ ہی بہ نفسِ نفیس اس کا انعام ہے، کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اس لیے کہ خدا تو منتظر رہتا ہے کہ جیسے ہی کوئی بندہ خلوص و اخلاص کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو وہ بھی کمالِ شفقت و عنایت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جائے ـــــ یہاں تک کہ ایک حدیثِ قدسی کی رُو سے اگر بندہ اُس کی جانب چل کر آتا ہے تو وہ تعالیٰ بندے کی جانب دوڑ کر آتا ہے اور اگر بندہ اُس کی طرف بالشت بھر بڑھتا ہے تو وہ تعالیٰ بندے کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہے ـــــ گویا بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں !
راہ دکھلائیں کسے ؟ رہروِ منزل ہی نہیں !

کیا آپ جاننا چاہیں گے

کہ انگلستان میں ہونے والی پہلی بین الاقوامی

عالمی خلافت کانفرنس

نے امت مسلمہ اور بنی نوع انسان کو کیا پیغام دیا؟
اس کانفرنس میں داعی تحریک خلافت پاکستان

محترم ڈاکٹر اسرار احمد

خصوصی دعوت پر شریک ہوئے ـــــ کانفرنس کی کارروائی انگریزی زبان میں ہوئی ـــــ مقررین کے خطابات پر مشتمل ویڈیو کیسٹ درج ذیل پتہ پر دستیاب ہے۔ ہدیہ -/۱۵۰ روپے

مرکزی دفتر تحریک خلافت پاکستان ۴۔ اے مزنگ روڈ، لاہور فون: ۳۱۱۶۶۸